رمضان سے اس حالت میں باہر نکلو کہ اس کی برکتیں تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں بلکہ قدم قدم تمہارے ساتھ آگے بڑھیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 27 رجنوری 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۴﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ
فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ
تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ
اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ
مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ
عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ
وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرة:184 تا 187)

پھر فرمایا:۔

یہ وہ چار آیات ہیں، جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اور ان کا تعلق رمضان مبارک سے ہے۔ پہلے بھی ان آیات پر کئی بار گفتگو ہو چکی ہے۔ اس وقت میں خصوصیت سے اس کے آخری حصہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ کہ جب تجھ سے میرے بندے میرے بارہ میں پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ان کو جواب دے کہ میں قریب ہوں۔ گویا براہ راست جواب دیا جا رہا ہے کہ میں قریب ہوں اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں دعوت کرنے والے یعنی پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں، جب وہ مجھے پکارے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا میں یہ مضمون شامل ہے کہ جب میں اسے کچھ کہوں تو وہ بھی قبولیت کے ساتھ، اس بات پر عمل کرتے ہوئے اس کا جواب دے۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ اور یہ لوگ مجھ پر ایمان لائیں لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ تا کہ وہ ہدایت پائیں اور حقیقت، سچائی کا راستہ پالیں۔ يَرْشُدُوْنَ میں عقل بھی شامل ہے، ہدایت بھی شامل ہے، ہر درست بات يَرْشُدُوْنَ کے تابع بیان ہو سکتی ہے، تو وہ عقل حاصل کریں۔ اپنے لئے جو بھلائی کی باتیں ہیں وہ سمجھ سکیں اور اچھے اعمال کرنے کی توفیق پائیں۔

رمضان مبارک اس پہلو سے بہت ہی اہم مہینہ ہے کہ اس میں تمام شریعت کے احکامات اجتماعی طور پر اپنے عروج کو پہنچ جاتے ہیں اور تمام احکامات جس انہماک کے ساتھ، جس خلوص کے ساتھ، جس محنت کے ساتھ بجالائے جاتے ہیں جیسا اس مہینے میں ہوتا ہے ویسا اور کسی مہینے میں نہیں ہوتا۔ گویا کہ گہری مشق کا مہینہ ہے۔ بعض دفعہ فوجوں کو واپس رجمنٹ سنٹر میں بلایا جاتا ہے باری باری تا کہ ایک دو مہینے جتنے بھی مقرر ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ ان سب باتوں کی دوبارہ تربیت لیں جن کی پہلے تربیت دی جا چکی تھی۔ تو رمضان کا مہینہ ایک رجمنٹل سنٹر کا کام کرتا ہے جہاں مومنوں کو دوبارہ بلایا جاتا ہے اور سہ بارہ بلایا جاتا ہے جب تک زندہ ہیں ہر سال ان کو اس مہینے میں سے گزرنا ہوگا اور اس مہینے کا جو آخری پھل بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ مجھے پکارتے ہیں میں ان کا جواب دیتا ہوں۔ پس شرط یہ ہے کہ وہ بھی میری باتوں کا جواب دیں۔ یہ پہلو بہت ہی اہم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت کم ایسے ہیں، شاذ ہی کوئی ایسا ہوگا، جو اللہ کی ہر بات کا اس رنگ میں جواب دے کہ اس کے

ہر فرمان کی اطاعت کرتا ہوا، لبیک کہتے ہوئے، اس کے حضور حاضر ہو۔ اس راہ میں ہر انسان کی کمزوریاں حائل ہو جاتی ہیں، اس کی غفلتیں، اس کی کوتاہیاں، اس کی لغزشیں اور انبیاءؑ سے نیچے نیچے جتنے طبقے کے بھی نیک لوگ ہیں ان میں بھی بارہا لغزشیں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کو نہیں دکھائی دیتیں جو غیب کی نظر سے ان کو دیکھ رہے ہیں لیکن خود ان کو اپنی ذات میں دکھائی دے رہی ہوتی ہیں اور ان میں بھی پھر مختلف مدارج ہیں۔ ایک شخص اپنی ذات کا زیادہ شعور حاصل کر لیتا ہے اور وہ اپنے گناہوں سے زیادہ واقف ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ایک شخص نسبتاً کم شعور رکھتا ہے وہ اسی حد تک اپنے گناہوں سے کسی حد تک غافل رہتا ہے۔ جب یہ شعور پوری طرح بیدار ہو جائے تو اتنی قوی طاقت ہے کہ انبیاءؑ بھی اپنے حال پر نظر کرتے ہیں تو ان کو کمزوریاں دکھائی دینے لگتی ہیں اور وہ بھی دن رات استغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پس باوجود اس کے کہ انبیاءؑ ہر معیار کے مطابق معصوم ہیں لیکن اندرونی آنکھ جب روشن ہو جائے تو ایسی روشن ہو جاتی ہے کہ معمولی سا داغ، معمولی سا نقص بھی کسی اندھیرے میں چھپا رہ نہیں سکتا۔ کھل کر ہر چیز دکھائی دینے لگتی ہے اور استغفار کا تعلق اس مضمون سے بہت گہرا ہے اور یہی ہے جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

استغفار کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ انسان ڈھانپنے کے لئے اللہ سے التجا کرے کہ یہ ننگ بھی میرا ظاہر ہو گیا، یہ ننگ بھی ظاہر ہو گیا، اسے ڈھانپ دے اور جب تک علم نہ ہو کہ کون کون سا ننگ انسان میں موجود ہے، کون کون سے گناہوں سے انسان داغ دار ہے، اس وقت تک استغفار دل سے حقیقت میں اٹھ ہی نہیں سکتی اور اس میں بھی پھر آگے درجے ہیں۔ بعض انسان گناہ کرتے ہیں اس سے نفرت بھی پیدا ہوتی ہے، اس سے کراہت بھی محسوس کرتے ہیں لیکن اپنی نفس لوامہ کی استطاعت سے، اس کی حد سے باہر دیکھتے ہیں یعنی ایک طرف نفس ہے جو ملامت کئے چلا جا رہا ہے دوسری طرف نفس امارہ ہے جو حکم دیتا چلا جا رہا ہے اور کبھی وہ امارہ کے تابع کام کر جاتے ہیں اور کبھی لوامہ کے تابع روتے اور خدا کے حضور گریہ وزاری کرتے ہیں۔ ایک جدوجہد ہے جو مستقل جاری رہتی ہے۔ لیکن یہ بھی شعور کی حالت کا ایک نام ہے۔ شعور کی وہ حالت جو گناہوں کے وجود کا احساس کرتی ہے اور پھر اس پر ندامت محسوس کرتی ہے، اسے مٹانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ کوشش کرتی ہے کہ یہ داغ بھی دھل جائے اور داغ پیدا کرنے والا مرض بھی جڑوں سے اکھیڑا جائے۔ بعض دفعہ استغفار سے اور رونے

سے اور گریہ وزاری سے داغ تو مٹ جاتے ہیں لیکن مرض قائم رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی حالت بہت قابل رحم ہوتی ہے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ نہیں ہوتا جب تک موت کا وقت نہ آ جائے۔ اس وقت اللہ کی تقدیر یہ بتاتی ہے کہ تمہیں میں نے کس حالت میں وفات دی ہے۔

آنحضرت ﷺ اس مضمون کو بہت ہی لطیف پیرائے میں، بہت گہرائی کے ساتھ، ایک تمثیل کے طور پر بیان فرماتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ ایک ایسے شخص کی مثال دیتے ہیں جو گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا بلکہ اتنا گناہ گار تھا کہ جب اس کو شعور پیدا ہوا کہ میں اتنا گناہ گار ہوں تو وہ تمام ایسے لوگوں کی طرف دوڑا جو نیک مشہور تھے، جو عارف باللہ مشہور تھے اور ان کے سامنے جا کر اس نے اپنا حال کہا اور ایک کے بعد دوسرے سے پوچھا کہ میری بدیوں کا تو یہ حال ہے، میرے گناہوں کی یہ وسعت ہے، اس طرح میں گھیرے میں آچکا ہوں اور کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جو تم تصور کر سکتے ہو جو میں نے نہ کیا ہو۔ اب بتاؤ میرے لئے بخشش کا کوئی سامان ہے تو ہر سننے والے نے یہ جواب دیا کہ نہیں تمہاری بخشش ممکن نہیں اور وہ ایک کے بعد دوسرے کے پاس گیا اور ایک کے بعد دوسرے کی طرف سے مایوس ہوتا رہا۔

اس مضمون کو آگے بڑھانے سے پہلے اس پہلو کو بھی میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور انسان کی مغفرت کا ایک فرق بھی دکھایا گیا ہے۔ انسان کو نہ مغفرت کی اتنی استطاعت ہے، نہ وہ گہرائی سے دلوں کے راز معلوم کر سکتا ہے کہ کسی گناہ گار کے متعلق یہ بھی فیصلہ دے سکے کہ اس کی بخشش کا کوئی امکان ہے کہ نہیں۔ وہ اپنی سطحی نظر سے گنہگاروں کو دیکھتا ہے اور غصے اور نفرت کی نظر سے ان کو دیکھتا ہے اور غصے اور نفرت اور تکبر کی نظر سے اگر کسی گنہگار کی حالت کو دیکھا جائے تو بخشش کا کوئی بھی امکان نظر کے سامنے ابھرتا نہیں۔ انسان یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسے انسان کی بخشش ہو سکتی ہے۔ تو بخشش کے لئے ایک قسم کی انکساری کی ضرورت ہے اور یہ انکساری ایک عجیب رنگ میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں بھی پائی جاتی ہے۔ جب کہتے ہیں وہ تـوّاب ہے تو مراد ہے وہ جھکتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ خود توبہ کرتا ہے وہ اپنی بلندیوں سے ان گہرائیوں تک اتر آتا ہے جہاں گناہ گار پل رہے ہیں اور ان کے قریب ہو کر ان کی آواز سنتا ہے۔

یہ بھی وہ مضمون ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھتے ہیں۔ اِنِّیْ قَرِیْبٌ میں تو قریب ہوں۔ ہر بد سے بد، ہر گناہ گار سے گناہ گار، ہر ذلیل

سے ذلیل انسان کے بھی اللہ قریب ہے جبکہ بندے دور ہٹ جاتے ہیں۔ اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں بیان فرماتے ہیں:

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار (درثمین:125)

اس کے بعد پھر مغفرت کا کیا سوال ہے۔ مغفرت کا سوال اس ذات سے ہے جو ہر گناہ گار کے خواہ وہ کیسا ہی ذلیل ہو چکا ہو اس کے بھی قریب رہتا ہے اگر اس میں احساس ندامت پیدا ہو اور وہ بخشش کی طلب کرنے کی طرف مائل ہو۔

تو یہ وہ کیفیت تھی اس شخص کی جس کو آنحضرت ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا کہ گناہوں کے انتہا تک پہنچنے کے باوجود دل میں تمنا تھی اور انسانوں کا حال یہ تھا کہ اپنی نیکیوں کی رعونت میں، اپنی نیکیوں کے تکبر میں، اس کو حقارت سے دیکھتے تھے اور رد کرتے چلے جاتے تھے اور خدا کی نمائندگی میں گویا رد کرتے تھے۔ کہتے تھے اللہ کی ذات بہت بڑی ہے، تمہارے جیسے ذلیل آدمی پر نظر بھی نہیں ڈال سکتا۔ ان پر اِنِّیْ قَرِیْبٌ کا مضمون روشن نہیں تھا۔ مگر ایک خدا کا بندہ ایسا تھا جو حقیقت میں عارف باللہ تھا۔ جب وہ گناہ گار اس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ ایک ہی طریق ہے کہ تم بدی کے شہر سے نیکی کے شہر کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اب بدی کا شہر کون سا ہے؟ ہر انسان کی ذات میں ایک بدی کا شہر آباد ہے۔ کسی کی ذات میں بہت بڑا شہر آباد ہے۔ بے انتہا اس میں گناہ بستے ہیں اور خوب کھل کھیلتے ہیں، کسی کی ذات میں کچھ کم آباد ہیں مگر وہ معصوم جن کو خدا نے عصمت عطا فرمائی ہو ان کے سوا ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی شہر بستا ہے اور ایک اور شہر بھی ہے جو نیکی کا شہر ہے اس طرف ہجرت کوئی بیرونی ہجرت نہیں بلکہ اندرونی ہجرت ہے ایک انسان اپنے گناہوں سے نیکیوں کی طرف جب حرکت شروع کر دیتا ہے تو اسی کا نام بدیوں کے شہر سے نیکیوں کے شہر کی طرف یا بدوں کے شہر سے نیکوں کے شہر کی طرف ہجرت کرنا ہے۔ پس اس عارف باللہ نے اسے سمجھایا کہ ایک ہی رستہ ہے کہ تم بدی کے شہر سے نیکی کے شہر کی طرف ہجرت شروع کر دو لیکن یہ ہجرت آسان نہیں ہوتی۔ قدم قدم پر مشکل پیش آتی ہے اور اچانک یہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے اس کی مسافت کا نقشہ ایسے کھینچا کہ اس نے سفر تو شروع کر دیا لیکن بہت مشکل سفر تھا اور نیکی کا شہر اس سے بہت دور تھا

یہاں تک کہ چلتے چلتے اس کی موت کا وقت آ گیا اور وہ نڈھال ہو کر زمین پہ جا پڑا لیکن ابھی نیکی کے شہر سے بہت دور تھا۔ اس پر اس نے کہا کہ چلو آخری دم تک کوشش تو کروں اور گھسٹتا ہوا جس حد تک بھی اس میں آخری توانائی موجود تھی وہ گھسٹ گھسٹ کر نیکی کے شہر کی طرف حرکت کرتا رہا لیکن بدیوں کا شہر ابھی اس کے قریب موجود تھا نیکی کا شہر اس سے بہت دور تھا تب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرا یہ بندہ اپنے گناہوں کا احساس رکھتا تھا۔ اس کے دل میں شعور بیدار ہو چکا تھا اور جتنی اس میں طاقت تھی اس نے کوشش کی۔ اب ہم یوں کرتے ہیں کہ تم اس کا فاصلہ ناپو۔ نیکی کے شہر سے کتنی دور ہے اور بدی کے شہر سے کتنی دور ہے اگر نیکی کے شہر کا فاصلہ کم ہوا تو اس کی بخشش کا اعلان ہے اور اگر بدی کے شہر سے فاصلہ کم ہوا تو پھر اس کی مغفرت کا سوال نہیں اور یہ حکم دے کر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یہ انتظام کیا کہ فرشتے جو بدی کے شہر سے فاصلہ ناپتے تھے وہ فاصلہ بڑھتا چلا جاتا تھا اور وہ گز چھوٹے ہو گئے تھے جس انداز سے بھی وہ ناپتے تھے وہ فاصلہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا اور جب نیکی کے دور شہر کے فاصلے کو انہوں نے ناپنا شروع کیا تو وہ گز لمبے ہو گئے اور بہت جلد جلد فاصلہ طے ہونے لگا۔ یہاں تک کہ فرشتوں نے یہی دیکھا اور یہی پایا اور یہی عرض کیا کہ اے اللہ دیکھنے میں تو یہ نظر آتا تھا کہ بدیوں کے شہر کے قریب تر ہے لیکن جب ہم نے ناپا تو یہ عجیب بات ہوئی ہے کہ یہ نیکیوں کے شہر کے قریب ملا ہے۔ تو اس میں آنحضرت ﷺ نے مغفرت، گناہ، بخشش اور بظاہر گئے گزرے ہوئے انسانوں کے احوال، ان کی بخشش کا گہرا فلسفہ، یہ سب کچھ بیان فرما دیا ہے اور حیرت انگیز تمثیل ہے اس سے زیادہ خوبصورت اور حسین اور حقیقت پر مبنی جو اپنی تمام تر تفاصیل کے لحاظ سے سچی ہو اور تمثیل آپ کو کبھی دکھائی نہیں دے گی۔

حضرت عیسیٰؑ کی تماثیل بھی مشہور ہیں۔ بہت میں نے غور کر کے دیکھی ہیں اور بھی بہت سی تمثیلیں پڑھی ہیں مگر جتنا گہرا اثر میرے دل پر اس تمثیل کا ہے کبھی کسی اور تمثیل کا نہیں پڑا کیونکہ کوئی مبالغہ نہیں۔ لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف سچی بات اور ذرا سا اپنے ذہن کو اس میں ڈوبنے دیں تو ہر بات کھلی کھلی مدلل دکھائی دینے لگتی ہے کہ ہونا اسی طرح چاہئے تھا۔ چنانچہ یہ وہ مضمون ہے اِنِّیْ قَرِیْبٌ کا کہ اس نے خدا کی آواز پہ لبیک کہنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ اگر چہ یہ کوشش بعض دفعہ مکمل نہیں ہوتی اور اس کوشش کو وہ پھل نہیں لگتا جو دنیا کی نظر سے پھل دکھائی دے۔ وہ مرنے والا بظاہر

گناہ گار ہی مرتا ہے لیکن اللہ نے جو تقدیر مغفرت کی جاری فرمائی ہے، جو دلوں کی پاک تبدیلی پر نظر رکھتا ہے۔ جو خالصۃً اللہ کی خاطر ایک تبدیلی کے خواہش مند کی کوشش کو جس طرح خدا دیکھتا ہے یہ وہ ساری باتیں اس تمثیل میں بیان ہوئی ہیں اور یہ مضمون بھی بیان ہو گیا کہ کیوں یہ دعا کرو۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ (آل عمران:195) کہ اے اللہ ہمیں نیکوں کے ساتھ نیکوں کی معیت میں وفات دینا۔ ہوسکتا ہے بدیوں کی حالت میں بھی وفات آجائے مگر اللہ کی نظر میں اگر وہ چاہے تو ہر شخص کی موت جس کے حق میں وہ فیصلہ کرے نیکوں کی موت شمار ہوسکتی ہے۔

پس یہ دو اہم مضامین ہیں جن کی طرف میں رمضان میں داخل ہونے سے پہلے آپ کو متوجہ کرتا ہوں اور آپ سے یہ خصوصیت سے توقع رکھتا ہوں کہ اس رمضان میں اپنے لئے بھی یہ دعائیں کریں گے اور میرے لئے بھی یہ دعائیں کریں گے اور جماعت کے تمام دوسرے کمزوروں اور نیکوں کے لئے برابر یہ دعائیں کریں گے کیونکہ اگر خدا کی نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت میں کوئی بھی نیک نہیں اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب نیک کہا گیا تو آپ نے کہا، نہیں میں نیک نہیں ہوں وہی ایک نیک ہے۔ حقیقت میں نیکی کا شعور درجے رکھتا ہے اور میلی آنکھ سے وہ حقائق نظر نہیں آتے جو صاف شفاف آنکھ سے نظر آتے ہیں۔ اس لئے دو باتیں ہیں جو بہت ہی بنیادی ہیں ہماری بخشش اور نیک انجام کے لئے۔ ایک تو یہ کہ اللہ وہ شعور پیدا کر دے جس شعور کے نتیجے میں وہ شخص جس کا تمام سینہ بدیوں کا شہر بن چکا تھا باوجود اس کے کہ موت سے پہلے وہ اسے نیکیوں کے شہر میں تبدیل نہیں کر سکا۔ مگر اللہ کی مغفرت کی آنکھ نے اسے اس طرح دیکھا کہ اس کی اس کوشش ہی کو قبول فرمالیا۔ تو ایک تو یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی وہ شعور بیدار کر دے اور یہ رمضان اس حالت میں ہم پر گزرے کہ یہ شعور بیدار بھی ہو اور پھل بھی لائے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی آواز ہم سنیں اور پھر اس رمضان سے گزریں۔

اور دوسرے جب وقت آئے تو پھر فاصلے اس طرح نہ ناپے جائیں جو انصاف کے ترازو سے جیسے تولا جاتا ہے یا انصاف کے گزوں سے فاصلے ناپے جاتے ہیں۔ رحمت کے ترازو سے ہم تولے جائیں اور رحمت کے گزوں سے ہمارے فاصلے ناپے جائیں۔ یہی ایک صورت ہے جو مغفرت کی صورت ہے۔ تو اپنے لئے اپنے بھائیوں کے لئے، اپنے عزیزوں کے لئے، میرے لئے، میرے

سب رفقاء کار کے لئے جو جماعت میں ہر جگہ میرے ساتھ کام کر رہے ہیں اور تمام دنیا کے لئے یہی دعائیں کریں اس رمضان میں جیسا کہ میں ہر رمضان میں کسی خاص دعا کی طرف توجہ دلاتا ہوں میں اس رمضان میں آپ کو اس دعا کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

اب میں چند احادیث رمضان کے تعلق میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو مختلف پہلوؤں سے رمضان کے تعلق میں ہماری ذمہ داریاں ہم پر روشن کر رہی ہیں اور رمضان کے فیوض بیان کر رہی ہیں اور وہ احادیث جو ہمیں دکھا رہی ہیں کہ یہ مہینہ اتنا برکتوں والا ہے، ایسا مغفرتوں والا ہے کہ اگر اس سے بھی خالی ہاتھ گزر گئے تو بہت بڑی محرومی ہوگی۔ پس اس پہلو سے میں چند احادیث آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

ایک ترمذی کتاب الدعوات باب ما یقول عند رویة الھلال میں مذکور حدیث ہے۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو یہ دعا کرتے اے میرے خدا! یہ چاند امن و امان اور صحت و سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔

یہ جو دعا ہے اس سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی وسیع تر نظر کی طرف خیال متوجہ ہوتا ہے۔ رمضان کا مہینہ بہت برکتوں والا ہے لیکن رمضان کا چاند جو امن کا پیغام لاتا ہے، جو نیکی کا پیغام لاتا ہے آپ یہ دعا نہیں کرتے کہ اس مہینے کا چاند روزانہ ایسا نکلے۔ آپؐ دعا کرتے ہیں اے خدا ہمارا سارا سال ایسا ہو جائے کہ وہ برکتیں جو اس چاند کے ساتھ وابستہ ہیں وہ امن جو اس چاند کے ساتھ وابستہ ہے وہ ہمارے ہر روز کے چاند کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ امن اور صحت اور سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔ اے چاند! میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی چاند کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق نہیں ہے۔ یہ اللہ کے بعض فرمودات، بعض اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا نشان بنتا ہے تو اچھا لگتا ہے اس کے بغیر اس سے ہمارا ذاتی تعلق نہیں ہے۔ اے چاند! میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے، تو خیر و برکت اور رشد و بھلائی کا چاند بن۔ اس کی عربی یاد کرنا تو مشکل ہوگا لیکن اردو الفاظ یاد رکھیں۔ میں ایک دفعہ پھر دہراتا ہوں۔ جب بھی نیا چاند نکلتا تو آنحضور ﷺ اپنے رب کے حضور یہ دعا عرض کرتے۔ اے میرے خدا! یہ چاند امن و امان اور صحت و سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔ اے چاند! میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے تو خیر و برکت اور رشد و بھلائی کا چاند بن۔

دوسری حدیث بخاری کتاب الصوم سے لی گئی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم چاند دیکھ کر روزہ شروع کرو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ یعنی عید مناؤ اور اگر دھند یا بادل کی وجہ سے انتیس کی تاریخ کو چاند نہ دیکھ سکو تو شعبان اور اسی طرح رمضان کے تیس دن پورے کرو یعنی رمضان سے پہلے مہینے کے تیس دن پورے کرلیا کرو۔اگر چاند دکھائی نہ دے اور شبہ ہو تو اس صورت میں ایک دن آگے بڑھانے کا ارشاد ہے، جلدی کرنے کا نہیں ہے حالانکہ رمضان بہت بابرکت مہینہ ہے اور اس میں داخل ہونے کا شوق ہے۔مگر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے منشاء کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے اور آپؐ نے جو اللہ کا منشا سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ خواہ مخواہ نیکی دکھانے کی خاطر ایک دن پہلے روزہ نہ رکھ لیا کرو اس شک میں کہ شاید رمضان شروع ہو گیا ہو اور یہ واقعہ ہے کہ بہت سی دنیا میں ایسے علاقے ہیں جہاں اس معاملے میں اسی طرح شدت کی جاتی ہے۔بعض دفعہ بعض نزدیک کے علاقوں سے بھی دو دو دن پہلے روزے رکھ لئے جاتے ہیں اور یہ جو کجی ہے طبیعت کی، یہ آخر اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ عید بھی دو دو دن پہلے منالی جاتی ہے جبکہ ابھی رمضان جاری وساری ہو۔

تو آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو کھول کر بیان فرمایا ہے کہ جہاں چاند کا شک ہو وہاں شعبان کے تیس دن پورے کرو اور پھر اسی اصول کے تابع عید کا فیصلہ کرو۔دو الگ الگ اصول نہیں ہوں گے پھر اگر شک ہو کہ عید کا چاند نکلا ہے کہ نہیں نکلا تو پھر پورے تیس دن رمضان کے پورے کرو اور پھر عید مناؤ۔اب اس دفعہ جب یہ فیصلہ ہونا تھا کہ رمضان کب شروع ہو رہا ہے تو جو کمیٹی بٹھائی گئی انہوں نے رپورٹ کی کہ غالب گمان یہی ہے کہ یکم کی رات کو رمضان کا چاند طلوع کرے گا اس لئے دو کو رمضان بن سکتا ہے لیکن ایک امکان یہ بھی ہے کہ شاید ایک دن پہلے چاند طلوع ہو جائے۔اس پر میرے ذہن میں تو ذرہ بھی تردّد پیدا نہیں ہوا یہ فیصلہ کرنے پر کہ پہلی بات کے تابع چلیں اور جس دن دیر میں چاند نکلنے کا احتمال ہے اس کو اختیار کریں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہی حکم ہے کہ اگر شک ہو تو پھر تیس دن پورے کرو۔

دوسرے یہ بات بھی میں نے ان کو سمجھائی کہ آپ کا جو حساب ہے وہ درست نہیں ہے کیونکہ جو اہل علم ہیں وہ بتاتے ہیں کہ دو طرح سے چاند دیکھنے کا امکان پیدا ہوتا ہے ایک اس وقت

کے لحاظ سے جتنی دیر وہ افق سے اوپر رہتا ہے۔ ایک خاص وقت کے اندر اندر وہ دکھائی نہیں دے سکتا۔ اس وقت سے اوپر نکلے یعنی اگر پندرہ منٹ ہیں اس وقت کے تو جب تک وہ سولہ منٹ کا نہ ہو اس وقت تک دکھائی دینے کا امکان ہی کوئی نہیں۔ اگر وہ سولہ منٹ اوپر رہتا ہے تو پھر ایک منٹ تک اس کو دیکھا جا سکتا ہے یعنی بعینہٖ سولہ نہیں شاید بیس منٹ ہوں مگر مثال دے رہا ہوں۔ ایک یہ زاویہ ہے جس سے چاند کے نکلنے کے امکان کو جانچا جا سکتا ہے۔ ایک زاویہ ہے چاند کا زمین سے زاویہ۔ وہ ایک خاص زاویہ سے اوپر دکھائی دے سکتا ہے۔ اب اگر میرے ہاتھ کو آپ زاویہ بناتا ہوا سمجھیں۔ اگر یہ زاویہ نیچے ہو تو اس کا مطلب ہے وہ Horizon یعنی افق کے بہت قریب ہے اور افق کے قریب ہونے کی وجہ سے جو رستے میں دھند اور کئی قسم کے غبار ہیں وہ اس کی رؤیت کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور اگر زاویہ اونچا ہو تو اس بات کا واضح امکان ہو جاتا ہے کہ اس کی روشنی کثیف فضا سے لمبا عرصہ نہیں گزرتی بلکہ جلد ہم تک پہنچتی ہے، اس لئے اس کے نظر آنے کے زیادہ امکانات ہیں۔ تو انہوں نے ایک پہلو سے یہ دیکھا کہ چاند نظر نہیں آ سکتا اور دوسرے پہلو سے، زاویئے سے دیکھا کہ شاید نظر آ جائے۔ تو ان کو میں نے کہا کہ اصول یہ ہے کہ جس پہلو سے نظر نہیں آ سکتا وہ غالب ہوگا اور دوسرے کو وہ کاٹ نہیں سکتا اس لئے کم سے کم کا اصول یہاں رائج ہے۔ جس زاویئے میں دقتیں زیادہ ہیں وہی فیصلہ کرے گا کہ دوسرے زاویئے سے بھی نظر آ سکتا ہے کہ نہیں۔ تو بہر حال حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ جو نصیحت ہے یہ ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نیکی میں زبردستی کرنے والوں کی بات قبول نہیں کرتا بلکہ جو رعایتیں دیتا ہے انہی کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ہی حقیقی نیکی ہے۔

بخاری کتاب الصوم میں یہ روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص ایمان کے تقاضے اور ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

اب یہ مسئلہ جو ہے بہت ہی گہرا ہے چھان بین والا مسئلہ ہے کہ ایمان کے تقاضے اور ثواب کی نیت۔ ایمان کے تقاضے کیا کیا ہیں اور کن کن تقاضوں کو ہم پورا کر رہے ہیں اور ثواب کی نیت میں کیا کیا باتیں داخل ہیں۔ بعض دفعہ فرض کی مجبوری سے بھی انسان اٹھتا ہے وہ بھی نیکی ہے مگر ثواب کی نیت سے اٹھنا ایک اور مضمون ہے۔ فرض نہ بھی ہو تو ایسے لوگ راتوں کو اٹھتے ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے

فرمایا وہ شخص جو ان دو نیتوں کے ساتھ رمضان کی راتوں میں اٹھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

پس اس پہلو سے جہاں یہ خوشخبری ہے وہاں انذار کا بھی رنگ رکھتی ہے۔ دراصل انذار اور خوشخبری یہ دونوں اتنے ملے جلے مضمون ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کلیۃً الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ہر انذار خوشخبری رکھتا ہے۔ یہ کام نہ کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے۔ یہ کام کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ تو ہر شخص جو انذار کی آواز سنتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اس کے لئے انذار خوشخبری لے کے آتا ہے۔ رستوں پر جگہ جگہ بورڈ لگے ہوتے ہیں ''تیز موڑ ہے، ایک دم اونچائی آنے والی ہے، ایک طرف گڑھے ہیں یا برف جمی ہوئی ہے۔'' یہ باتیں جو ہیں انذار ہیں لیکن اس انذار کو ہٹائیں تو دیکھیں کتنے دکھ پیدا ہوں گے۔ تو انذار کی کوکھ سے خوشخبریاں پیدا ہوتی ہیں اور خوشخبریاں بھی انذار کے بچے دیتی ہیں اگر ان خوشخبریوں پر عمل نہ کیا جائے اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ یہاں آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پس اگر کوئی بدنصیب رمضان سے گزرے اور گناہ نہ بخشے جائیں تو بڑی بدنصیبی ہے۔ پس اس پہلو سے یہ خوشخبری ایک انذار کا بھی رنگ رکھتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے صحیح مسلم کتاب الصیام سے لی گئی ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الصیام جنۃ کہ رمضان کا مہینہ یا روزے رکھنا ایک ڈھال ہے۔ ڈھال سے جس طرح انسان مختلف تیروں اور تلواروں یا نیزوں کی ضربوں سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح شیطان کے نیزوں اور تلواروں اور اس کے تیروں کی ضرب سے انسان محفوظ رہتا ہے اگر وہ روزے رکھے اور ان کا حق ادا کرے تو ماہ صیام مومن کے لئے پورے کا پورا ایک ڈھال بن جاتا ہے۔ اس کی راتیں بھی ڈھال ہیں، اس کے دن بھی ڈھال ہیں اور کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جس طرح آنحضور ﷺ نے چاند کے حق میں یہ دعا دی تھی کہ تو روز اسی طرح برکتوں اور خیر کے ساتھ نکلے۔ اسی طرح ہم یہ دعا بھی کریں کہ اے خدا رمضان کے بعد بھی یہ ڈھال ہمارا ساتھ نہ چھوڑے اور ہمارے آگے آگے بڑھے اور ہمارے دائیں بائیں اور پیچھے ہر قسم کے حملوں سے ہمیں ہمیشہ محفوظ رکھے۔

بخاری کتاب الصوم میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت درج ہے کہ رسول کریم ﷺ سب سے زیادہ صدقہ وخیرات کرنے والے تھے۔ لیکن آپؐ کا صدقہ وخیرات اس وقت سب سے

زیادہ ہوتا تھا جب رمضان میں جبرائیل آپؐ سے ملتے تھے۔ جبرائیلؑ آپؐ کو رمضان کی ہر رات کو ملتے تھے اور آپؐ کے ساتھ قرآن کریم کا جو اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا دور مکمل کرتے تھے۔ رمضان میں آپؐ تند و تیز ہوا سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے۔ آپؐ کے صدقہ وخیرات کی مثال تیز ہواؤں سے دی جاتی ہے مگر رمضان میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس ہوا نے جو پہلے بھی تیز تھی جھکڑ کی شکل اختیار کر لی ہے بکثرت صدقہ وخیرات کرتے تھے۔

آج کل جو صدقہ وخیرات کے محل ہیں ان میں بوسنیا کے مظلوم بھی ہیں کشمیر کے مظلوم بھی ہیں اور روس میں مختلف علاقوں میں جو مظلوم پائے جاتے ہیں وہ بھی ہیں، افریقہ کے بہت سے علاقوں کے مظلوم ہیں اور کئی طرح سے دنیا میں ہر طرف انسان ظلموں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ روزمرہ کی غربت کا نشانہ بھی ہے۔ روزمرہ کے فاقوں کا نشانہ بھی ہے، اپنی قوم کے سرداروں کی بے حسی سے بھی دکھ اٹھا رہا ہے، اپنے گناہوں سے دکھ اٹھا رہا ہے، طرح طرح کے ایسے عوامل ہیں جو اس کی تکلیفوں میں اضافہ کرتے چلے جا رہے ہیں اور کوئی پُرسان حال نہیں۔ تو ان سب کو صدقہ وخیرات میں شامل کرنا ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے جو اور بھی بہت سے نیکی کے کاموں میں مشغول ہے اور بہت بوجھ اٹھائے چل رہی ہے اللہ کے فضل کے ساتھ اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ سو فیصدی ان تقاضوں کو پورا کر سکے مگر وہی بات ہے کہ گناہوں کے شہر سے نیکی کے شہر کی طرف جانے کا وقت نہیں تھا، توفیق نہیں تھی مگر کوشش ایسی کی کہ گھسٹ گھسٹ کے بھی بڑھنے کی کوشش کی۔ تو عام طور پر جو آپ صدقہ وخیرات دیتے ہیں، سارے مالی بوجھ اپنی جگہ قائم اور دائم ہیں، جو فرائض ہم پر عائد ہوئے ہیں جو ذمہ داریاں ہم قبول کر چکے ہیں ان کو کم نہیں کر سکتے لیکن کچھ اور اگر نکال لیں گویا گھسٹ گھسٹ کر بدیوں کے شہر سے نیکیوں کے شہر کی طرف بڑھ رہے ہوں تو یہ ادا اللہ کو بہت پیاری لگے گی اور اس ادا کے صدقے ہمارے بہت سے گناہ بخشے جا سکتے ہیں۔ پس اپنے اپنے حالات پر نظر ڈالیں عام حالات میں جو آپ صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے رمضان میں ضرور اسے تیز تر کرنے کی کوشش کریں۔ یہ حدیث بخاری کتاب الصوم سے لی گئی تھی۔

ایک حدیث یہ بھی بخاری کتاب الصوم سے لی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان کے سب کام اس کے اپنے

لئے ہیں مگر روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا بنوں گا۔ یعنی اس کی اس نیکی کے بدلے میں اسے اپنا دیدار نصیب کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ ڈھال ہے پس تم میں سے جب کسی کا روزہ ہو تو نہ وہ بے ہودہ باتیں کرے، نہ شور وشر کرے۔ اگر اس سے کوئی گالی گلوچ کرے یا لڑے جھگڑے تو وہ جواب میں کہے کہ میں نے تو روزہ رکھا ہوا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ روزے دار کی منہ کی بُو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے زیادہ پاکیزہ اور خوش گوار ہے کیونکہ اس نے اپنا یہ حال خدا کی خاطر بنا رکھا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں مقدر ہیں۔ ایک خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری اس وقت ہوگی جب روزے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات نصیب ہوگی۔ (بخاری کتاب الصوم حدیث نمبر: 1771)

اس حدیث میں جس طرح اثر انداز طریق پر روزے کی اہمیت اور روزے کا جو عظیم اجر ہے وہ بیان فرمایا گیا ہے اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے بھی میں اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ آج میں آپ کو صرف یہ کہوں گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ایک خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے۔ یہ ایک روزمرہ کی حقیقت ہے، ہر شخص کے تجربے میں اور کتنی سچی حقیقت ہے۔ وہ لوگ جو بیمار بھی ہوں جن کو بھوک نہ بھی لگتی ہو روزہ رکھنے کے بعد جو افطار کا لطف حاصل کرتے ہیں اس کی اور کھانوں میں مثال دکھائی نہیں دیتی۔ ایک خاص اس کی کیفیت ہے جو افطار کے وقت انسان کو میسر آتی ہے جس کی فرحت کی کوئی مثال کسی اور جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ یہ بات جتنی سچی ہے اتنی ہی دوسری بات بھی سچی اور قطعی ہے کہ اللہ کی رؤیت بھی نصیب ہوسکتی ہے اور اس کا ایک اپنا مزہ ہے۔ تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مومنوں کو دو فرحتیں ملتی ہیں رمضان میں۔ اگر ہم ایک فرحت کے وعدے کو سچا دیکھتے ہوں اور دوسری فرحت کے وعدے کا انتظار کرتے رہیں اور ہمارے حق میں پورا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلا مزہ بھی جھوٹا مزہ تھا، بے معنی اور بے حقیقت مزہ تھا۔ اگر افطار کا مزہ سچا ہوتا تو پھر وہ افطار بھی اللہ کرواتا جو خدا سے دوری کے بعد اس کے وصل کا افطار ہے اور اس پہلو سے بھی رمضان میں خصوصیت کے ساتھ محنت کریں، دعائیں کریں، استغفار کریں اور اللہ سے روزے کی وہ جزا مانگیں جو اللہ نے خود بیان فرمائی ہے کہ وہ جزا میں ہوں۔ پس اگر اس رمضان میں ہمیں یہ جزا مل جائے تو سب کچھ مل گیا۔ اس جزا کے

بعد تو پھر اور کوئی جزا باقی نہیں رہتی، اس کی اہمیت کوئی نہیں رہتی۔

کہتے ہیں:۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا اس کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

یہ شعر پوری طرح مجھے یاد نہیں بیچ میں میں نے وزن پورا کرلیا ہے مگر مضمون یہی ہے (یا اس سے ملتا جلتا ہے) اور بڑی قوت والا مضمون ہے کہ خدا سے خدا مانگ کر ہم نے سب کچھ ہی مانگ لیا ہے۔اس کے بعد کسی اور دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھتے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اس طرح ایک نسبتاً سطحی رنگ میں پیش نہیں فرمایا مثلاً یہ اس کا سطحی پہلو ہے کہ ''اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد۔'' کون ہے جو خدا سے خدا کو مانگ کر یہ ضمانت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، اپنے ساتھ رکھتا ہو کہ وہ خدا کے ساتھ وفا کے تقاضے پورے کرے گا اور آئندہ اسے خدا سے مانگنے کی احتیاج نہیں رہی۔تو شعر دیکھنے میں بڑے اچھے لگا کرتے ہیں مگر جب آپ ڈوب کر دیکھتے ہیں اچھی باتوں میں تو پھر پتا چلتا ہے کہ کون سی باتیں گہری صداقت پر مبنی ہیں اور ان کا چہرہ بھی حسین ہے ان کا باطن بھی حسین ہے۔حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ہر بات یہ دونوں پہلو رکھتی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اشعار میں بھی اور آپ کی نثر میں بھی یہی پہلو سب سے نمایاں ہے جس کی وجہ سے آپ کی تحریر اور نظم میں ایک غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔آپؑ فرماتے ہیں:

در دو عالم مرا عزیز توئی
وانچہ میخواہم از تو، نیز توئی

کہ میرا تو دونوں جہان میں تو ہی عزیز ہے۔وہ جو میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ تو ہے۔تجھے، تجھ سے مانگ رہا ہوں اور یہ دعا ساری عمر کا ساتھ تھی۔ایسی دعا نہیں تھی کہ جس کے لئے ہاتھ اٹھیں اور پھر گر جائیں تو پھر کبھی نہ اٹھیں۔ایسی دعا آپ نے مانگی کہ آخر وقت تک آپؑ کی یہی دعا جاری رہی جبکہ خدا مل بھی چکا تھا، ساتھ رہتا تھا، بعض دفعہ ساری ساری رات آپ کو خوشخبریاں دیتا تھا مگر یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کبھی ساقط نہیں ہوئی۔تو اس رمضان میں بھی یہ دعا مانگیں اور اس رمضان کے بعد بھی یہ دعا مانگتے چلے جائیں کہ اے خدا! اس نیکی کے بدلے ہمیں تو مل جائے اور یہ

تیرا ملنا دائمی ملنا ہو اور ہم ہمیشہ احتیاج محسوس کریں کہ تو پھر بھی ملے۔

اس مضمون کا ایک پہلو ہے جس کی طرف آپ کو اب متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خدا کا ملنا کوئی ایسا ملنا نہیں جیسے بندے کا ملنا ہو اور اس کے بعد ملاقات کی آرزو اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور مکمل ہو جائے اور انسان سیراب ہو جائے۔ خدا کا ملنا تو ایک لامتناہی سفر کی مثال رکھتا ہے۔ ہر قدم جو منزل کی طرف اٹھ رہا ہے وہ کچھ ملاقات کا مزہ دیتا ہے لیکن جہاں ٹھہر جائیں وہاں محرومی اور ہجر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس ہاتھ بھی اٹھتے ہیں اور اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ قدم بھی اٹھتے ہیں اور اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا مقام نہیں آتا کہ جہاں ہاتھ گر جائیں یا قدم رک جائیں اور اگر آئے گا تو وہی موت کا اور ہجر کا مقام ہے جس میں خدا کی حاصل کردہ لقاء کے جو پہلے پھل تھے وہ بھی ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی لقاء کا یہ جو مضمون ہے یہ ان معنوں میں بہت گہرائی رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اندر سفر لامتناہی سفر ہے۔ اللہ کی ذات کا کوئی عرفان اوّل تو بذات خود ممکن نہیں۔ اللہ ہی خود ظاہر ہو تو ممکن ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ خدا کے ہاں بھی ایک انکساری پائی جاتی ہے اور وہ انکساری نہ ہو تو ہمارے درمیان کوئی اتصال کی صورت باقی نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کون سی آنکھ ہے جو خدا کو پا سکتی ہے، ناممکن ہے۔ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وہ آنکھوں تک پہنچتا ہے خود۔ تمہیں وہم ہے کہ تمہاری نظریں دور دور تک جاتی ہیں اور یہ صورتحال عام انسانی بصیرت کے تجربے کے اوپر بعینہٖ صادق آتی ہے۔ اگر سورج کی روشنی خود سفر کر کے ارب ہا ارب میل سے بظاہر تنزل اختیار کرتے ہوئے ہماری آنکھوں تک نہ پہنچے تو ہماری آنکھ کی بصیرت اپنی ذات میں تو کوئی طاقت نہیں رکھتی کہ باہر نکلے اور اندھیروں کے سینے پھاڑ کر حقائق تک پہنچ سکتی ہو۔ کسی چیز کا بھی ادراک نہیں کر سکتی۔ پس آسمان سے روشنی اترتی ہے اور وہ آنکھوں تک پہنچتی ہے اور اس سے انسان دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے اگر اندرونی نور ہو لیکن اپنی ذات میں وہ نور ایک ساقط نور ہے اس میں توفیق ہی نہیں ہے کہ نظر سے اچھل کر باہر جا سکے اور باہر کے گرد و پیش کا جائزہ لے سکے۔ تو جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے اس میں تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انسان اپنی کوشش اور کھوج اور جدوجہد اور حرکت کے نتیجے میں خدا کو پالے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ

يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کوئی آنکھ نہیں ہے جو کہ اس کا ادراک کر سکے۔ وہ آنکھوں کو پا تا ہے یعنی ان تک پہنچتا ہے اور خود اپنے جلوے دکھاتا ہے اور اس کا ہر جلوہ لامتناہی ہے۔ آن میں کچھ ہے، آن میں کچھ ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ہر روز، ہر آن اس کے جلوے بدلتے ہیں اور لا متناہی ہیں۔ آج ایک شان سے ظاہر ہو رہا ہے کل دوسری شان سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ہم تو موسموں میں بھی نہیں پہچانتے کہ یہ خدا ہی کی شانیں ہیں جو بدل رہی ہیں لیکن گہرے عرفان کے معاملے جب ہوں تو اکثر آنکھیں ان باتوں کے ادراک سے اندھی رہتی ہیں اللہ ہی توفیق عطا کرے تو عطا ہوتی ہے۔

پس وہ ہاتھ جو دعا کے لئے اٹھیں، جو لقاء باری تعالیٰ مانگیں وہ حقیقت میں ایک ایسی چیز مانگتے ہیں جس کی لقاء کا سفر کبھی ختم ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر منزل کے بعد ایک اور منزل ہے لیکن ہر منزل کچھ لقاء کا لطف ضرور دیتی ہے۔ یہ ایسا دور کا وعدہ نہیں کہ اس کی پیروی میں آپ مسلسل سفر کرتے رہیں اور جب تک وہ آخری مقام نہ پہنچے آپ سیراب نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سفر کی مثال دنیاوی گمراہیوں میں بھٹکنے کی مثال کے طور پر پیش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ جو دنیا کی لذتوں میں اور عیش و طرب میں جدوجہد کرتے چلے جاتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے جو سراب کے پیچھے پانی سمجھ کر دوڑ رہا ہو اور ہر قدم سراب اسی رفتار سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام جسے وہ پانی کا مقام سمجھتا تھا، جب وہاں پہنچتا ہے تو اللہ کو اپنا حساب دینے کے لئے وہاں موجود پاتا ہے اور کوئی سیرابی نصیب نہیں ہوتی۔ تو نعوذ باللہ خدا کی لقاء کا سفر سراب کا سفر نہیں ہے بلکہ ہر قدم آپ نہ صرف اس پانی کے سرچشمہ کے قریب ہوتے ہیں بلکہ اس سے سیراب بھی ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن وہ ایک لامتناہی چشمہ ہے جس کی سیرابی کی طاقت آپ کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے۔ آپ سیرابی محسوس بھی کرتے ہیں لیکن آئندہ آنے والی سیرابی کے تصور سے آپ کے دل میں ایک نئی پیاس بھی جاگ اٹھتی ہے اور پھر جوں جوں پیاس بڑھتی ہے توں توں اس خدا کی لقاء کے پانی میں سیراب کرنے کی طاقت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

تو یہ دعا کریں کہ اے خدا! اس رمضان میں ہمیں وہ لقاء نصیب فرما جو جاری و ساری لقاء ہے جس کا سفر کہیں ختم نہیں ہوتا۔ کسی منزل پر بھی اس لقاء کو ہم ایک آخری منزلِ مراد قرار نہیں دے سکتے۔ یہ وہ منزل مراد ہے جو ساتھ ساتھ چلتی ہے، ہر قدم منزل مراد کی طرف اٹھ رہا ہے اور ہر قدم

منزل مراد کو پا بھی رہا ہے اور پھر آخر پر میں اسی حدیث کے مضمون کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں کہ وہ گناہ گار جس نے سفر شروع کیا تھا اس کا یہی حال تھا۔ اس نے دراصل ایک ایسا سفر شروع کیا تھا جو لامتناہی تھا کیونکہ فی الحقیقت اگر آپ گناہوں کا شعور حاصل کریں تو کبھی بھی یہ ممکن نہیں کہ کلیۃً گناہوں کے داغ دھونے کے بعد اس شہر کو جو دل میں بستا ہے نیکی کا شہر قرار دے سکیں۔ مگر ہر قدم جو اٹھتا ہے وہ کچھ فرحت، کچھ مغفرت کے وعدے لے کر ضرور آتا ہے اور وہی پہلو ہے جس کی طرف یہ حدیث یعنی اس پہلو کی طرف بھی یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے کہ تم سفر شروع کر دو۔ یہ سفر نہ ختم ہونے والا ہے مگر اللہ اپنی مغفرت اور رحمت سے جس طرح پیمائشیں کرتا ہے اس پہلو سے ہر مسافر، ہر مقام پر جہاں بھی وہ مرتا ہے بخشش کی حالت میں جان دیتا ہے۔

پس اے گناہ گار بندو! جن میں مَیں بھی شامل ہوں اور اول طور پر شامل ہوں۔ خدا کی بخشش سے مایوس نہ ہو اور ان امور کا شعور حاصل کر کے ان کا عرفان حاصل کر کے اپنے رمضان کو زندہ کر دو اور جگا دو اور اس حالت میں اس رمضان سے باہر نکلو کہ اس کی برکتیں تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں اور وہ نیکیاں جو اس رمضان میں تم کمالو وہ پیچھے رہ جانے والی نہ ہوں بلکہ قدم قدم تمہارے ساتھ آگے بڑھیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین